

علامہ اقبال کے مذہبی عقائد اور ان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ: ایک فکری و سیاسی مطالعہ

A Critical and Analytical Study of Allama Iqbal's Religious Beliefs: Refuting Sectarian and Ahmadiyya Allegations

Muhammad Uzair Shafiq

The Superior University, Lahore. m.uzairshafiq786@gmail.com

Professor Dr.Faisal Kamal Haidri

Urdu Department, The Superior University, Lahore

Sidra Rafiq

Research Scholar MS Urdu Department, The Superior University, Lahore.
m.uzairshafiq786@gmail.com

Abstract:

This research paper examines and refutes the historical allegations regarding the religious convictions of Allama Muhammad Iqbal, specifically focusing on the claims of him being "Shia/Tafzili" or having "Ahmadiyya" leanings. Through a qualitative analysis of Iqbal's poetry, his correspondence with Jawaharlal Nehru, and his 1935 legal-theological statements, the study establishes that Iqbal's worldview was rooted in the core Islamic principle of *Khatm-e-Nabuwwat* (Finality of Prophethood) as a socio-political necessity for Muslim unity. The paper critically evaluates Sheikh Ejaz Ahmed's "Mazloom Iqbal" and argues that Iqbal's shift from an initial sympathetic view to a total rejection of Ahmadism was not due to personal grievances but based on the realization of its threat to the Islamic "Solidarity of the Ummah." This research concludes that Iqbal's devotion to the *Ahl al-Bayt* was a spiritual expression of his love for the Prophet (PBUH) rather than a sectarian alignment.

Keywords:

Allama Iqbal, Finality of Prophethood, Ahmadiyya Movement, Jawaharlal Nehru, Muslim Identity, Ahl al-Bayt, Islamic Philosophy.

یہ مقالہ علامہ اقبال کے مذہبی نظریات پر اٹھنے والے اعتراضات، بالخصوص شیعہ عقائد سے قربت اور قادیانیت کے ساتھ ابتدائی تعلق کے الزامات کا علمی محاکمہ کرتا ہے۔ مقالے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اقبال کے ہاں اہل بیت کی محبت حسب رسول ﷺ کا تو سبھی اظہار ہے، جو کسی بھی قسم کی فرقہ پرستی سے پاک ہے۔ مقالے کا خاص محور اقبال اور پنڈت جوہر لال نہرو کے درمیان ہونے والی وہ خط و کتابت ہے جس میں اقبال نے عقیدہ ختم نبوت کو مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی وحدت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ قادیانیت کے بارے میں اقبال کی رائے میں تبدیلی کسی ذاتی محرومی یا سیاسی دباؤ کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ یہ ان کے اس فکری ارتقاء کا حاصل تھی جس میں انہوں نے نئی نبوت کو ملت اسلامیہ کے جسد واحد کے لیے ایک خطرہ محسوس کیا

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
از گیا جو ترے دل میں لا شریک لہ
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت اولایزال است و قدیم
اسلام کیسی شخصیت کی تشکیل کرتا ہے یہ اقبال کا بنیادی موضوع ہے۔ کیسی ملت کی تشکیل کرتا ہے، یہ بھی ان کا بنیادی موضوع ہے۔ شخصیت کا کامل ترین نمونہ، جناب رسالت
مآب ﷺ کی ذات ہے۔ یہ نمونہ عطا کر کے اللہ نے نسل انسانی پر احسان عظیم کیا ہے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بہترین مظہر ہیں۔ ان کے اپنے منفرد اوصاف بھی ہیں۔
نائب حق یا مسلمان وہی ہے جس کی شخصیت رسول اکرم ﷺ کی شخصیت سے مشابہ ہو۔ جو جتنا زیادہ شخصی اعتبار سے، ان سے قریب ہے، وہ اتنا ہی بڑا انسان یا مسلمان ہے۔
ضرب کلیم کی نظم مرد مسلمان میں اقبال نے مسلمان کو اللہ کی جلالی و جمالی صفات کا حامل قرار دیا ہے۔ مسلمان رسول اکرم کے اپنے اوصاف کا وارث و حامل بھی ہے۔ حسب
ذیل اشعار میں سے پہلے دو اللہ کی صفات کے حوالے سے اور اگلے تین رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کے تناظر میں ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوس و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!
ہمسا یہ جبریل امیں بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخاراندہ بدخشان!
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن!
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان!

مسلمان اللہ کی جلالی و جمالی صفات کا حامل، گفتار اور کردار میں اللہ کا ایک نشان اور کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا مظہر ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے یہ سب کچھ صِبْغَةَ اللَّهِ وَ مَنْ
أَحْسَنُ مِنْ اللَّهِ صِبْغَةً سے اخذ کیا ہے۔ حدیث شریف تَخَلَّفُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ بھی ان کے پیش نظر تھی۔ آخری تین اشعار میں ان اوصاف کا عکس مسلمان میں دیکھ رہے
ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے منفرد اوصاف ہیں۔

علامہ اقبال پر غیر اسلامی عقائد رکھنے کے الزامات لگائے گئے تھے، جو زیادہ تر تنگ نظر اور متعصب علماء کی طرف سے تھے۔ ان لوگوں نے اقبال کو کافر قرار دینے تک کا فتویٰ
جاری کیا۔ ایک بڑا الزام قادیانیوں کی طرف سے تھا کہ اقبال نے 1935 میں قادیانیوں کو مسلمانوں کا فرقہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ ان کا قادیانیت سے گہرا تعلق
تھا۔ اسی طرح اقبال پر تفضیلی اور شیعہ عقیدہ رکھنے کا بھی الزام لگایا گیا۔ یہ کہا گیا کہ اہل بیت سے محبت کی بنا پر وہ بد عقیدہ ہیں۔
اسی طرح قادیانیت کے ساتھ اقبال کے تعلق کو بار بار اجاگر کیا گیا۔ اقبال پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ قادیانی ہیں، اور اس الزام کے ساتھ ان کی شاعری کو دلیل کے طور پر پیش
کیا گیا۔

کیا اقبال واقعی بد عقیدہ تھے؟ اس سوال کا جواب مختلف افراد کی آراء سے ملتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے اقبال کی شاعری میں اہل بیت سے محبت کو ایک مثبت پہلو کے طور پر بیان
کیا، جبکہ شیخ اعجاز احمد کے مطابق کچھ کتابوں میں اقبال کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک شخص محمد حسن نے اقبال کے اشعار کو اس بات کا ثبوت قرار دیا کہ اقبال
بد عقیدہ تھے، کیونکہ اقبال نے ایک مصرعے میں حضرت موسیٰ اور حضرت حسینؑ کو ایک ساتھ ذکر کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ مصرعہ اقبال کے عقیدہ کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے
اقبال کا بد عقیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ اعجاز احمد نے اقبال کے چھ اشعار پیش کیے ہیں، جن کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اقبال کی طبیعت میں تشیع کا کچھ اثر تھا۔ نظم ”زہد اور رندی“ میں ایک مولوی
صاحب، جو عربی کے پروفیسر اور نیک انسان تھے اقبال کے بارے میں کہتے ہیں:

”اس کی طبیعت میں تشیع بھی ڈرا ساء، تفضیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی“ (1)

ایک منصفانہ طریقہ یہ ہو گا کہ اقبال کے ان اشعار کا جائزہ لیا جائے جو حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے مقام و مرتبے سے متعلق ہیں یا جن میں ان سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا
گیا ہے، اور پھر اقبال کے ایسے کلام کو دیکھا جائے جو شیعہ عقائد سے متصادم یا تفضیل علیؑ کی نفی کرتا ہے۔ اقبال فرقہ پرستی سے بالاتر تھے، اور ان کے عقیدے کا تعین اس طریقے
سے ہی ممکن ہے۔

محمد حسن کا کہنا ہے کہ اقبال نے حضرت حسینؑ کو حضرت موسیٰ کا مقام دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ بد عقیدہ ہیں۔ تاہم، محمد حسن دوسرے تنگ نظر فرقہ پرستوں کی طرح ہیں اور ان میں خلافت و ملوکیت کے فرق کو سمجھنے کی کمی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اقبال نے جس مصرعے میں موسیٰ اور حسینؑ کا ذکر کیا، وہاں ایک تقابل ہے، نہ کہ حسینؑ کو موسیٰ کے برابر دکھا گیا۔ اقبال نے موسیٰ و حسین کے درمیان مشابہت اور فرعون و یزید کے درمیان مماثلت ظاہر کی ہے۔ شاید محمد حسن کو یہی بات بری لگی، لیکن یہ اعتراض ایسا نہیں ہے جس پر دیگر فرقہ پرست اتفاق کر سکیں۔

اس معاملے کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔ اقبال کا مذکورہ مصرعہ ”رموزِ جینودی“ میں شامل ہے، جس کا مطلب ہے کہ حقیقت میں اسلام کی آزادی اور کربلا کے واقعے کا راز بیان کیا جا رہا ہے۔ اس اشعار میں اقبال نے یہ پیغام دیا ہے کہ جب خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑا، تو ملوکیت نے جنم لیا اور اس کا نمائندہ یزید تھا۔ حسینؑ نے اس ظلم و جبر کے خلاف اپنی جان دی، اور ان کی قربانی کے خون سے آزادی کا دروازہ کھلا۔

سید مودودی کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ خلافت راشدہ اور ملوکیت میں کیا فرق تھا۔ انہوں نے یزید کی حکومت کی ظلم و جبر کے بارے میں بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، جیسے سیدنا حسینؑ کی شہادت، اور مکہ اور مدینہ پر یزید کی فوجوں کی چڑھائی۔

”یزید نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک اہل مدینہ کو اطاعت قبول کرنے کے لیے دعوت دیتے رہیں، اور اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کریں۔ پھر جب فتح حاصل ہو جائے تو تین دن کے لیے مدینہ کو فوج کے لیے مباح قرار دے دیں۔ اس ہدایت پر فوج روانہ ہوئی، جنگ ہوئی، مدینہ فتح ہوا، اور یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لیے فوج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر بھر میں لوٹ مار کی گئی، معززین کا قتل عام ہوا، اور امام زہری کی روایت کے مطابق سات سو معزز افراد اور تقریباً دس ہزار عام شہری مارے گئے۔ اس کے علاوہ، فوجیوں نے بے دریغ طور پر گھروں میں گھس کر عورتوں کی عصمت دری کی۔ ان تین دنوں میں تقریباً ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں۔“ (۲)

ان واقعات سے یہ واضح ہے کہ خلافت کا رشتہ قرآن سے ٹوٹ چکا تھا اور بہترین مسلم معاشرے کی آزادی چھین لی گئی تھی۔ انہیں ایک فاسق، فاجر اور ظالم شخص کی اطاعت پر مجبور کیا گیا، اور اس دوران بدترین استبداد کو اپنایا گیا۔ ان حالات کے پس منظر میں محمد حسن کی یہ تحریر قابل غور ہے:

”بات یہ ہے کہ ایک گروہ نے واقعہ کربلا کو اسلام کا ایک بہت بڑا واقعہ قرار دے دیا ہے، اور اس سے متاثر ہو کر لوگ امیر المومنین یزید بن معاویہ کو اپنی بد عقلی اور کج فہمی کی بنا پر مطعون قرار دینے لگے ہیں۔“ (۳)

واقعہ کربلا کو نہ صرف شیعہ بلکہ سنیوں کا سوا ا عظیم بھی ایک بہت بڑا اور گھناؤنا واقعہ سمجھتا ہے۔ اسے بد عقلی اور کج فہمی قرار دینا بذات خود بد عقلی اور کج فہمی ہے۔ اقبال کی اہل بیت سے محبت بہت نمایاں تھی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نہ وہ شیعہ تھے اور نہ تفضیلی۔ محبت کے علاوہ اقبال اہل بیت کے بلند مراتب کے بھی قائل اور ترجمان تھے۔

اقبال نے ”اسرار خودی“ کے ایک باب میں حضرت علی مرتضیٰ اور ”رموز بے خودی“ کے ایک باب میں حضرت فاطمہ الزہرا کے کردار اور اوصاف پر روشنی ڈالی ہے۔ ”حضرت علی کے اوصاف میں خاص طور پر عشق، علم، خودداری اور قوت کو اجاگر کیا اور ان صفات کو اپنانے کی تلقین کی۔ اقبال نے اپنے اردو کلام میں قوت کے علاوہ فقر کا بھی متعدد بار ذکر کیا ہے۔ حضرت فاطمہ کو اقبال نے مسلمان ماؤں کے لیے اسوۂ کاملہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح اقبال نے شبیری (حضرت حسینؑ) کو ایک علامت کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اعلیٰ وارفع اسلامی کردار کی وضاحت اور تلقین کی ہے۔“ (۴)

ان تمام باتوں کے باوجود اقبال پر تفضیلی ہونے کا الزام درست نہیں ہے اور شیعہ ہونے یا تقیہ کرنے کی بات بالکل بے بنیاد ہے۔ اقبال کو دھوکا دینے کی ضرورت کیوں تھی؟ ان کی زندگی خود ایک کھلی کتاب کی مانند تھی۔ جو کچھ انہوں نے حق سمجھا، وہ برملا کہا۔ اقبال اپنے فکر و نظر کے اعتبار سے فرقوں سے بلند اور غیر مقلد تھے۔ عملی طور پر وہ حنفی سنی تھے، اور یہی بات انہوں نے اپنی وصیت میں بھی واضح طور پر کہی:

”میرے مذہبی اور دینی عقائد سب کو معلوم ہیں۔ میں عقائد دینی میں سلف کا پیرو ہوں۔ نظری اعتبار سے فقہی معاملات میں غیر مقلد ہوں۔ عملی اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہ کا مقلد ہوں۔“ (۵)

یہ وصیت نامہ 13 اکتوبر 1935ء کو لکھا گیا تھا۔ چار روز بعد اقبال نے ایک اور تحریر خاص طور پر اپنے بیٹے جاوید اقبال کے لیے اپنی یادداشتوں میں درج کی۔ اس تحریر کا آخری جملہ یہ تھا:

”غرض یہ ہے کہ طریقہ حضرات اہلسنت محفوظ ہے اور اسی پر گامزن رہنا چاہیے، اور ائمہ اہل بیت کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھنی چاہیے“ (۶)

اعجاز احمد کے مطابق، استفسار پر اقبال نے کہا:

”اس شعر [ہے اس کی طبیعت میں تشبیح بھی ذرا سا، تفضیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی] میں بلکہ نظم کے اس حصے میں جس میں یہ شعر ہے، میں نے اپنے متعلق دوسروں کے خیالات بیان کیے ہیں نہ کہ اپنے۔ مزید یہ کہ رسول مقبول کے اہل بیت کے ساتھ محبت تو ہر مسلمان کا جزو ایمان ہونا چاہیے اور مجھے ان سے محبت میں شدت کا بھی اعتراف ہے، لیکن اتنا بھی نہیں کہ خلفائے راشدین میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کا عقیدہ رکھوں“ (۷)

اقبال نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے مقام و مرتبہ کو ہمیشہ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لہٰذا در کی ایک نظم ”صدیق“ میں حضرت ابو بکر صدیق کا بے مثال کردار اجاگر کیا گیا ہے، اور ان کی عظمت کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ آخری مصرعہ:

”صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول“

یہ مصرعہ عشق و محبت کی گہرائی اور استواری کو ظاہر کرتا ہے، جو صرف ایک عاشق رسول ہی محسوس کر سکتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق کو رموز بے خودی کے باب خلاصہ مطالب مثنوی میں اقبال نے کچھ اس انداز میں یاد کیا ہے:

آل امن الناس بر مولائے ما

آل کلیم اول سینائے ما

ہمت او کشت ملت راجو ابر

ثانی اسلام وغار و بدر و قبر“

یہ اشعار حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عظیم مقام کو اجاگر کرتے ہیں، جہاں اقبال ان کی قربانیوں کو اسلام کی ترقی کے لیے انتہائی اہم قرار دیتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ہمت نے ملت کی کھیتی کے لیے ابر کا کام کیا، اور وہ غار ثور میں، غزوہ بدر میں اور قبر میں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھے۔

رموز بے خودی کے باب رسالت میں یہ اشعار بھی بہت اہم ہیں:

”معنی حرفم گئی تحقیق اگر

بنگری بادیدہ صدیق اگر

قوت قلب و جگر گرد نبی

از خدا محبوب تر گرد نبی“

اس میں اقبال فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حضرت ابو بکر صدیق کی نظر سے دیکھے، تو جناب رسالت کی ذات قلب و جگر کی قوت بن جاتی ہے، اور وہ خدا سے بھی زیادہ محبوب نظر آتے ہیں۔

حضور رسالت میں، اقبال نے عصر حاضر کی لادینی کا علاج ”فقر صدیق“

میں بیان کیا ہے:

”دگر گوں کرد لادینی جہاں ر

از آثار بدن گفتند جاں را

ازاں فقرے کہ با صدیق دادی

بشورے آدراں آسودہ جاں را“

اس اشعار میں اقبال نے لادینی کی خراب اثرات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ جس فقر سے حضرت ابو بکر صدیق کو نوازا گیا، وہ مجھے بھی اضطراب اور خروش دے رہا ہے، تاکہ میں اپنی روحانی جدوجہد جاری رکھوں۔

حضرت عمر فاروق کا مقام و مرتبہ بھی اقبال کی شاعری میں ہمیشہ اہم رہا ہے، اور ان کا ذکر اقبال نے اپنی شاعری میں بار بار کیا ہے، جو ان کے عظیم مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ خلفائے راشدین اور دوسرے عالی مرتبت صحابہ کا ذکر اقبال ایک ساتھ بھی کرتے ہیں، کوئی تمیز و انہیں رکھتے اور اسلام کی اعلیٰ ترین اقدار کو منکشف کرتے ہیں:

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری
میں آدم کے حق میں کیسا ہے دل کی بیداری
ترنپے پھرنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے!
اے کہ نشانی خفی را از حلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
تازہ کن آئین صدیق و عمر
چوں صابر لالہ صحرا

جھول لوگوں کی تحریروں کو زیر بحث لانا عموماً ہدف تنقید بن سکتا ہے، لیکن اگر تحریر میں غلط معلومات یا بے بنیاد الزامات ہوں، تو وہ پڑھنے والوں کو گمراہ کر سکتی ہے، اس لیے اس کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ شیم رجز نامی شخص نے اپنی کتاب صدائے احتجاج میں ایسی تحریر شائع کی ہے جس میں اس نے علامہ اقبال پر الزامات عائد کیے ہیں۔ اس کتاب میں اس نے اقبال کو قادیانی قرار دینے کی کوشش کی ہے، اور اس کے مطابق اقبال نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں قادیانیت کی طرف رجحان ظاہر کیا۔ کتاب میں اس تحریر کا نمونہ یوں پیش کیا گیا ہے:

”وہ ایک کٹر قادیانی تھے اور کم از کم اس وقت تک ایک کٹر قادیانی ہی رہے جب ان کی عمر 58 سال ہو گئی تھی (1935ء) اور قریب قریب ان کا سارا کلام سپردِ قرطاس ہو چکا تھا... میں نے سراقبال کی قادیانیت کا علم ہو جانے کے بعد ان کے کلام کا ایک مسلمان کی حیثیت سے جائزہ لیا ہے... سراقبال نے اپنی زندگی کے آخری تین برسوں کے دوران تین ایسے مضامین لکھے تھے جن کو پڑھ کر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ اب وہ قادیانیت سے تاب ہو گئے ہیں لیکن ان کے بھتیجے اعجاز احمد قادیانی کی کتاب مظلوم اقبال نے جو 1985ء میں شائع ہوئی ہے اس خیال کی تردید کر دی ہے... میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاید سراقبال قادیانیوں کی لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ بہر حال سراقبال اپنی زندگی کے آخری تین برسوں کے دوران مسلمان تھے یا لاہوری قادیانی، اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے“ (۸)

یہ الزامات نہ صرف علامہ اقبال کی شخصیت کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں بلکہ اس سے ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، جو کہ بالکل غیر حقیقت پسندانہ ہیں۔

شیم رجز نے اقبال کے بارے میں مزید دعوے کیے ہیں، جن میں یہ شامل ہیں کہ

”اقبال نے خدا اور رسول کی توہین کی، جہاد کی مخالفت کی، قیامت کا انکار کیا، تکبر کی تلقین کی اور قرآنی تعلیمات کو مسخ کیا۔ رجز کے مطابق، حضرت علی کو عوامی حمایت اس لیے نہیں ملی تھی کیونکہ انہوں نے کافروں کو بڑی تعداد میں قتل کیا تھا اور مسلم عوام ان کافروں کے رشتہ دار یا اولاد تھے۔ اس کے برعکس، حضرت ابو بکر کے ہاتھوں کوئی کافر قتل نہیں ہوا، اس لیے مسلم عوام کی اکثریت ان کے ساتھ تھی“۔ (۹)

شیخ اعجاز احمد نے اقبال کو قادیانی قرار دینے کے لیے مظلوم اقبال کی تحریر کو بنیاد بنایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اقبال نے احمدیوں کو 1935ء سے پہلے مسلمانوں کا فرقہ سمجھا تھا، لیکن اس کے بعد وہ انہیں اسلام سے خارج قرار دینے لگے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے شیخ اعجاز احمد نے بارہ نکات پیش کیے جن میں مختلف واقعات اور اقبال کی احمدیہ جماعت کے ساتھ تعلقات کی تفصیل دی گئی ہے۔

ان نکات میں اقبال کی طرف سے بانی سلسلہ احمدیہ کو ”سب سے بڑا دینی مفکر“ قرار دینا، 1910ء میں جماعت احمدیہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی سیرت کو ”اسلامی سیرت کا ٹھیکہ نمونہ“ کہنا، اور 1930ء میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ ان کے مثبت تعلقات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، اقبال نے کئی بار احمدیوں کی جماعت کو مسلمانوں کے لیے مفید

قرار دیا اور ان کے اشاعت اسلام کے جوش کی تعریف کی۔ شیخ اعجاز احمد یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ 1935ء میں اچانک اقبال نے احمدیوں کو اسلام سے خارج کیوں قرار دیا؟ وہ کہتے ہیں کہ 35 تک اقبال احمدیوں کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھتے تھے، مگر اس کے بعد ان کا موقف بدل گیا۔

یہ معلومات اور دلائل اس بات کو ثابت کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہیں کہ اقبال کا موقف ایک وقت میں احمدیوں کے بارے میں مختلف تھا، اور یہ تبدیلی 1935ء کے بعد آئی۔ شیخ اعجاز احمد کا جواب، جو انھوں نے اقبال کی تبدیلی رائے کے حوالے سے دیا ہے، قابل غور ہے لیکن اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ اقبال نے خود اپنی رائے کی تبدیلی کی وجوہات بیان کی ہیں، اور انھیں غلط ٹھہرانا یا ان کی وضاحتوں کو نظر انداز کرنا کوئی جواز نہیں رکھتا۔ تاہم، اس سے پہلے شمیم رجز کا الزام اہم ہے جو انھوں نے مظلوم اقبال کی بنیاد پر لگایا تھا، اور جس میں انھوں نے اقبال کو 1935ء یا اس سے بعد تک ”کٹر قادیانی“ قرار دیا تھا۔ یہ دعویٰ سراسر غلط ہے اور شیخ اعجاز احمد کے دلائل کے مطابق اقبال نے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھا تھا۔

شمیم رجز کا دعویٰ اقبال کو کٹر قادیانی کہنے کی وجوہات ہے، وہ بد قسمتی اور شرمناک ہے۔ یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے کیونکہ اقبال ایک دن کے لیے بھی قادیانی نہیں تھے۔ انھوں نے مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے قادیانی رہنما کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، اور نہ ہی کبھی ختم نبوت کے عقیدے سے دستبردار ہوئے۔ جب بھی بیعت کی دعوت دی گئی، انھوں نے اس کا رد کیا اور ہمیشہ ختم نبوت کے عقیدے کا بھرپور اظہار کیا۔

شیخ اعجاز احمد نے اقبال کی رائے میں تبدیلی کے حوالے سے لکھا کہ

”احمدیت کے متعلق علامہ کی رائے میں تبدیلی“ ایک ”قلب ماہیت“ کا عمل تھا، جس کی وجوہات میں کانگریس، احرار کی سازشیں، اور ایک ذاتی معاملہ میں احساس محرومی شامل تھے۔ ان کے مطابق اس دباؤ اور معاملات کی وجہ سے اقبال کے بیانات میں احمدیت کے خلاف وہ شدت اور تلخی آئی جو عموماً ان کے شیوے کے خلاف تھی۔“ (۱۰)

شیخ اعجاز احمد کے مطابق، احرار کی سازشوں کی ایک وجہ وہ واقعہ تھا جس نے اقبال کو احمدیہ جماعت سے کشیدگی کی طرف مائل کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

”1932ء میں سر فضل حسین کی رخصت کے دوران علامہ اقبال کا نام ایگزیکٹو کونسل کے رکن کے طور پر لیا گیا تھا، مگر حکومت برطانیہ نے احمدی رہنما چودھری ظفر اللہ خان کو اس عہدے پر مقرر کر دیا، جس سے اقبال میں احساس محرومی پیدا ہوا۔“ (۱۱)

شیخ اعجاز احمد کی بیان کردہ وجوہات سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ اقبال کے موقف کی پیچیدگی کا سب سے بڑا ثبوت پنڈت جواہر لال نہرو کے نام ان کے وہ مضامین اور خطوط ہیں جو ’اسلام اور احمدیت‘ کے نام سے مشہور ہیں۔ نہرو نے جب قادیانیوں کی حمایت میں سوالات اٹھائے تو اقبال نے جواباً کہا:

”اسلام بطور ایک ثقافتی اکائی کے، ختم نبوت کے اصول پر قائم ہے۔ جو شخص اس سرحد کو توڑتا ہے وہ ملت کے ڈھانچے کو کمزور کرتا ہے۔ قادیانیت ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام کے اندر ایک نئی امت بنانا ہے، جو مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی وحدت کے لیے زہر قاتل ہے۔“ (۱۲)

’یہ اقتباس ثابت کرتا ہے کہ اقبال کا مسئلہ کوئی عہدہ یا منصب نہیں تھا بلکہ ملت کی بقا تھا۔“

میر انیسٹن نہیں درگہ میر وزیر!

میر انیسٹن بھی تو خاک انیسٹن بھی تو!

اسی طرح 1933ء کی غزل میں اقبال نے خودی اور محبت کا بلند مفہوم بیان کیا:

محبت خوشیستن بینی محبت خوشیستن داری

محبت آستان قیصر و کسری ہے بے پروا

یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ اقبال کا نظریہ کسی عہدے یا منصب سے بلند تھا۔

شیخ اعجاز احمد نے اقبال کی تبدیلی رائے کے بارے میں جو وجوہات بیان کی ہیں، ان پر سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے اقبال پر شدت اور تلخی کا الزام عائد کیا، لیکن اس الزام کی چھان بین ضروری ہے۔ شیخ اعجاز احمد نے جو وجوہات بیان کیں، کیا وہ درست ہیں یا اقبال نے خود جن وجوہات کو بیان کیا وہ زیادہ معتبر ہیں؟

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اس معاملے پر تفصیل سے تبصرہ کیا اور شیخ اعجاز احمد کی بیان کردہ وجوہات کو دلائل سے رد کیا۔ جاوید اقبال نے اقبال کی علالت اور آواز کی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ 1934ء سے ان کی صحت خراب تھی، اور یہ کہنا کہ اقبال ایگزیکٹو کو نسل کے امیدوار تھے یا اس منصب کی امید رکھتے تھے، حقیقت سے بے خبر ہونا یا تعصب سے کام لینا ہے۔

”شیخ اعجاز احمد نے مظلوم اقبال میں قادیانیت کے حوالے سے بحث کو محدود رکھا اور اقبال کی بیعت کا معاملہ بیان کیا۔ ان کے مطابق، شیخ نور محمد نے 1902ء میں جماعت احمدیہ سے علاحدگی اختیار کی، جبکہ شیخ عطاء محمد ہمیشہ احمدی رہے اور اقبال نے کبھی بیعت نہیں کی۔“ (۱۳)

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اقبال کی رائے میں تبدیلی کے پس منظر میں احرار کا کوئی کردار تھا، تو بھی اس سے اقبال کے موقف کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ اہم بات یہ ہے کہ شیخ اعجاز احمد کو اقبال کے بیان کردہ نکات پر بات کرنی چاہیے تھی، لیکن اس بھاری موضوع کو انھوں نے نظر انداز کیا۔ وہ صرف اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ احمدی نبوت کے بارے میں جناب رسالت کے بعد کسی دوسرے نبوت کے قائل ہیں، مگر یہ موقف بھی متنازعہ ہے، کیونکہ شیخ عبدالمجید کا دعویٰ مختلف ہے۔ علامہ اقبال نے جو کچھ لکھا وہ پختہ دلیل اور فکر و بصیرت کے ساتھ تھا، اور ان کے اسلوب میں عالمانہ وقار اور واضح مفکرانہ سوچ دیکھی جاسکتی ہے۔ اقبال کے بعض نکات درج ذیل ہیں:

”ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنانی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر ایمان نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لیے ایک خطرہ تصور کرے گا، اور یہ اس لیے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے۔“ (۱۴)

”اسلامی ایران میں موبدانہ اثرات کے تحت طہرانہ تحریکیں اٹھیں، جنھوں نے اصطلاحات جیسے بروز اور حلول وغیرہ وضع کیں، حتیٰ کہ ”مسح موعود“ کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں ہے۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کو جھٹلایا، مگر انہوں نے اپنی جماعت کو مسلمانوں سے الگ تسلیم کیا۔ اقبال کے مطابق، قادیانیوں کے لیے دو راستے ہیں: یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا ختم نبوت کو تسلیم کریں۔“ (۱۵)

”اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی مدافعت کرے۔ قادیانیوں نے اپنے عقائد سے مسلمانوں کو علیحدہ کیا، جیسے اپنے نئے نام ”احمدی“ کا انتخاب، مسلمانوں سے تعلقات کا انکار، اور اپنے عقائد میں انحراف کیا۔ اقبال کی رائے میں حکومت کو قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرنا چاہیے، تاکہ مسلمانوں کی رواداری قائم رہے۔“ (۱۶)

اقبال نے اپنی رائے میں تبدیلی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ شروع میں انہیں احمدیہ تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی، لیکن جب تحریک نے نئی نبوت کا دعویٰ کیا اور مسلمانوں کو کافر قرار دیا، تو اقبال نے اس سے بیزاری اختیار کی۔ اقبال نے یہ بھی کہا کہ اگر ان کے موجودہ رویے میں کوئی تناقض ہے تو یہ ایک زندہ انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔

شیخ اعجاز احمد نے اقبال کے بیان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی حضور ﷺ کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کے مطابق یہ الزام احراریوں اور اقبال کے حاشیہ نشینوں کی جانب سے عائد کیا گیا تھا۔ تاہم، اقبال نے اس بات کو مسترد کیا اور کہا کہ جو شخص کسی نئے الہام کا دعویٰ کرتا ہے، وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ اقبال کا موقف واضح تھا کہ مرزا غلام احمد کا دعویٰ نئے الہام کا تھا، جس کے باعث وہ تمام عالم اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔

شیخ اعجاز احمد نے اس بات پر اظہار خیال نہیں کیا کہ بار بار نبوت کا دعویٰ کیا گیا اور مسلمانوں کو کافر کہا گیا۔ اقبال کا موقف تھا کہ مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ صریح تضاد اور دھوکا ہے۔

قادیانیت کا طریقہ واردات منفرد ہے، اور پروفیسر محمد الیاس برنی نے قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد اور ان کے جانشینوں کی تحریروں کو اقتباسات کے ذریعے واضح کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کی مختلف فصلوں میں نبوت کے مختلف پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جیسے ”نبوت کی تمہید“، ”نبوت کی تحصیل“، اور ”نبوت کی تکمیل“۔

مرزا غلام احمد کے دعوے میں بار بار کہا جاتا ہے کہ وہ خاتم النبیین کے بروز اور ظل ہیں، اور بعد میں تشریحات کے ذریعے وہ خود کو حقیقی خاتم النبیین کے مقام پر فائز کر لیتے ہیں۔

شیخ عبد الماجد نے اپنی کتاب اقبال اور احمدیت میں امام جماعت احمدیہ کے پیغام کا ذکر کیا ہے، جس میں امام نے دعویٰ کیا کہ آخر زمانے میں ایک مصلح آنا تھا، جسے ہر مذہب کے پیروکار نے اپنے اپنے مذہب میں پیش گوئیوں کے ذریعے متوقع کیا تھا۔ اس مصلح کا مقصد تمام مذاہب کے پیروکاروں کو ایک عالمی وحدت میں پرو کر توحید کا روح پرور نظارہ دکھانا تھا۔

مرزا غلام احمد نے خود کو انگریزوں کا وفادار اور ان کی حکومت کا مکمل نمونہ قرار دیا۔ وہ غلامی پر رضامند تھے، اور اس طرح کا شخص توحید خالق کا روح پرور نظارہ کیسے پیش کر سکتا ہے؟ اگر یہی شخص یہ نظارہ پیش کرتا ہے تو پھر قرآن کی ضرورت اور افادیت باقی نہیں رہتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہندو، عیسائی اور یہودیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا بھی کسی اور مسیح موعود کا انتظار کرنا، جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور خاتمیت کو اللہ کی عظیم نعمت تصور کرتے ہیں، اس بات سے متضاد ہے۔ اگر مسلمان کسی دوسرے نبی کا انتظار کر رہے تھے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا رہ جاتا ہے؟

مرزا غلام احمد کا دعویٰ تھا کہ

”بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند نہیں ہو گیا اور وہ خود کو نبی خاتم الانبیاء منجانب سے کہتے ہیں کہ میں بار بار بتا چکا ہوں کہ میں بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں، اور خدا نے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے خود کو مختلف پیغمبروں کی مثل بھی قرار دیا، جیسے کہ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں،

میں عیسیٰ ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں“۔ (۱۷)

اقبال اس فریب کو بے نقاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب میں بانی احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ ان کے دعویٰ نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیغمبر اسلام کی تخلیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورث کی ختم نبوت پر قابض ہو جاتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں پیغمبر اسلام کا بروز ہوں، اور اس سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا بروز ہونے کی حیثیت سے اس کا خاتم النبیین ہونا دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ہے۔“ (۱۸)

جو ابر لال نہرو کو جواب دیتے ہوئے اقبال نے ایک بہت اہم نکتہ بیان کیا جو بین الاقوامی سطح پر آج بھی کوٹ کیا جاتا ہے

”مذہب صرف ایک ذاتی عقیدہ نہیں بلکہ ایک سماجی نظام بھی ہے۔ قادیانیوں کا علیحدہ گوشہ بنانا اور پھر خود کو مسلمانوں میں شامل ظاہر کرنا ایک ایسی منافقت ہے جس کی اجازت دنیا کا کوئی بھی نظام نہیں دیتا۔“ اقبال نے واضح کیا کہ قادیانی تحریک دراصل ’اندرونی بغاوت‘ ہے جو مذہب کے لبادے میں کی جا رہی ہے۔“ (۱۹)

قادیانیت کے بودے دلائل کا پردہ چاک کرتے ہوئے اقبال نے 1935ء میں قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اس سے پہلے، شیخ اعجاز احمد کے مطابق، اقبال نے احمدیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ تسلیم کیا تھا، تاہم اس بات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ اقبال نے احمدیوں کے عقائد میں سے کبھی کسی سے اتفاق نہیں کیا۔ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود بانی ماننا، اور ان کے عقائد قادیانیت کی بنیادیں تھیں جو اقبال کے اسلامی نظریات سے متضاد تھیں۔

شیخ عبد الماجد نے اقبال کا احمدیت سے گہرا تعلق ثابت کرنے کی کوشش کی، لیکن اقبال نے ہمیشہ قادیانیت کے عقائد کو رد کیا۔ خواجہ حسن نظامی، مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر مسلم مشاہیر نے قادیانیوں کے عقائد کی مخالفت کی۔ اقبال نے بھی 1916 میں واضح طور پر کہا تھا کہ جو شخص پیغمبر اسلام کے بعد کسی نبی کا دعویٰ کرتا ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اقبال کا مقصد مسلمانوں میں آزادی کی روح پھونکنا اور ایک علیحدہ مسلم ریاست کا قیام تھا، جو استعمار سے آزاد ہو اور جس میں حریت، مساوات اور اخوت کا اصول نافذ ہو۔ قادیانیت کا مقصد اسلام کے منافی تھا کیونکہ اس میں جہاد کو ترک کرنے اور مسیح موعود ہونے کے دعوے شامل تھے۔ اقبال 1935ء سے پہلے ہی ان عقائد سے دور تھے اور ان کا گہرا تعلق قادیانیت سے نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد نے ابتدا میں ولایت اور مجددیت کا دعویٰ کیا، پھر مختلف مراحل میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس پر قادیانیوں کا اتفاق ہے اور وہ مرزا صاحب کو مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ تاہم، اقبال نے مرزا کے دعوے کو رد کرتے ہوئے اس کو ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ قرار دیا۔ 1932 میں لکھے گئے ایک خط میں اقبال نے واضح طور پر کہا کہ مسیح موعود اور مجددیت کے متعلق احادیث قرآن کی اصل روح سے متضاد ہیں اور یہ ایرانی خیالات کا نتیجہ ہیں۔

اقبال نے مرزا غلام احمد کو نہ مہدی، نہ مسیح موعود اور نہ مجدد تسلیم کیا۔ انھوں نے 1916 میں قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور 1932 میں لاہوری جماعت کے عقائد کو بھی مسترد کر دیا۔ اقبال کا موقف تھا کہ مرزا غلام احمد کا طریقہ تبلیغ موجودہ وقت کے لیے غیر موزوں تھا، لیکن انھوں نے جماعت احمدیہ کے افراد کے اسلام کی اشاعت کے جوش کو سراہا۔

شیخ عبدالمجید نے اقبال کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ ایک نئے مسیحا کی آمد کے منتظر تھے، لیکن اقبال نے کبھی مرزا غلام احمد کو مسیحا تسلیم نہیں کیا۔ اقبال کا مقصد ایک مثالی انسان یا ”مرد خدا“ کا تصور تھا، جو انسانی برادری کو جوڑ سکے اور موجودہ دنیا کے مسائل کو حل کرے۔ اقبال نے اس تصور کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

مینار دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ

یہ انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

یہ سب اقبال کے تصور انسانِ کامل اور روحانی مصلح کے تناظر میں تھا، نہ کہ مرزا غلام احمد کے دعوؤں کی توثیق کے لیے۔ (۲۰)

علامہ اقبال کے عقائد، قادیانیت کے بارے میں ان کے موقف، اور مرزا غلام احمد کے دعوؤں کے حوالے سے کی گئی تحقیق پر مبنی ہے۔ اس میں مختلف الزامات، رد عمل اور اقبال کے فکری و مذہبی نظریات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علامہ اقبال کی فکر کسی ایک فرقے کی قید میں نہیں تھی۔ ان کا عقیدہ قرآن و سنت اور سلف صالحین کے نقش قدم پر استوار تھا۔ نہرو کے ساتھ ان کی بحث نے یہ ثابت کر دیا کہ اقبال صرف ایک شاعر نہیں بلکہ ایک ایسے سیاسی مفکر تھے جو جانتے تھے کہ عقیدہ ختم نبوت کی دیوار گرے گی تو ملتِ اسلامیہ کا جغرافیائی اور روحانی وجود بکھر جائے گا۔ لہذا ان پر بد عقیدگی کا الزام لگانا ان کی فکرِ آفاقی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ خلافت و ملوکیت، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی سن اشاعت: 1974، ص ۱۸۰

۲۔ اقبال، اسلامی جمہوریہ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق۔ ص ۲۳

۳۔ ملا زادہ ضعیف کشمیری لولابی کا بیاض۔ ار مغان حجاز، علامہ اقبال ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سن اشاعت: 1997، ص ۷۴

۴۔ زندہ رود، جاوید اقبال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سن اشاعت: 2004، ص ۶۱۵

۵۔ ایضاً، ص ۷۱

۶۔ مظلوم اقبال، اعجاز احمد، اعجاز احمد مقام اشاعت: کراچی، پاکستان سن اشاعت: 1985، ص ۱۴۳

۷۔ پس چہ باید کرد، علامہ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجو کیشنل پبلیشرز، لاہور سن اشاعت: 1966، ص ۵۴

۸۔ صدائے احتجاج، سید شمیم رجز، رائٹرز اکیڈمی، لاہور سن اشاعت: 1966، ص ۳

۹۔ مظلوم اقبال، اعجاز احمد ناشر: اعجاز احمد مقام اشاعت: کراچی، پاکستان سن اشاعت: 1985، ص ۱۹۵

۱۰۔ مظلوم اقبال، مصنف: اعجاز احمد ناشر: اعجاز احمد مقام اشاعت: کراچی، پاکستان سن اشاعت: 1985، ص ۲۰۳

۱۱۔ بال جبریل، کشمیری منظوم ترجمہ، علامہ اقبال ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سن اشاعت: 1986، ص ۴۱

۱۲۔ اقبال، محمد۔ "قادیانی اور ملتِ اسلامیہ"۔ انوارِ اقبال، مرتبہ بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی پاکستان، 1977، ص ۱۶۲

۱۳۔ مترجم حرف اقبال، مصنف: لطیف احمد شروانی ناشر: المنار اکادمی، لاہور مقام اشاعت: لاہور، پاکستان ص ۱۰۳

- ۱۴۔ اقبال اور احمدیت، حافظ شیر محمد ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، بمبئی سن اشاعت: 1988 ص ۹۷۹
- ۱۵۔ اقبال اور احمدیت، حافظ شیر محمد ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، بمبئی سن اشاعت: 1988 ص ۸۴
- ۱۶۔ ایضاً، ۸۳
- ۱۷۔ ایضاً، ۸۱
- ۱۸۔ - قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، محمد الیاس برنی ناشر: اشرف پریس، لاہور ص ۶۲۱
- ۱۹۔ اقبال، محمد۔ مقالات اقبال۔ مرتبہ سید عبد الواحد معینی، مجلس ترقی ادب، 1963، ص ۱۸۳۔
- ۲۰۔ ابتدائی کلام اقبال، مصنف: علامہ اقبال ایڈیٹر: گیان چند حمین ناشر: اردو ریسرچ سینٹر حیدرآباد سن اشاعت: 1988 ص ۲۸۰

ماخذ و مصادر:

- اقبال، جاوید۔ زندہ رود۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2004ء
- اقبال، محمد (علامہ)۔ انوار اقبال۔ مرتبہ بشیر احمد ڈار، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1977ء
- اقبال، محمد (علامہ)۔ ارغوانِ حجاز (ملا زادہ ضعیف کشمیری مولائی کا بیاض)۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1997ء
- اقبال، محمد (علامہ)۔ بال جبریل (منظوم ترجمہ)۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1986ء
- اقبال، محمد (علامہ)۔ پس چہ باید کردے اتوام شرق۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1966ء
- اقبال، محمد (علامہ)۔ مقالات اقبال۔ مرتبہ سید عبد الواحد معینی، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1963ء
- برنی، محمد الیاس۔ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ لاہور: اشرف پریس
- حق، محمد ضیاء (جنرل)۔ اقبال۔ اسلام آباد: حکومت پاکستان۔
- رجز، سید شمیم۔ صدائے احتجاج۔ لاہور: رائنٹرس اکیڈمی، 1966ء
- شروانی، لطیف احمد (مترجم)۔ حرف اقبال۔ لاہور: المنار اکادمی۔
- شیر محمد، حافظ۔ اقبال اور احمدیت۔ بمبئی: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، 1988ء
- عجاز، احمد (شیخ)۔ منظوم اقبال۔ کراچی: اعجاز احمد (ناشر)، 1985ء
- مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ خلافت و ملکیت۔ نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، 1974ء